بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فرائضِ وِلایۃ

محمّد نامدار خان بوزئی

مورخہ: ۲۸/ مارچ ۲۰۱۰م

حافظ محمود اختر شیرانی (۱۹۰۵ تا ۱۹۴۸م) جن کا اصل نام محمد داوٗد خان تھا اردو ادب کے ایک معروف محقق گزرے ہیں، مقالاتِ شیرانی میں حضرت مہدی علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے مہدویوں کے عقائد کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں:

> مہدویوں کا عقیدہ ہے کہ فرائض و واجباتِ قرآنی دو قسم کے ہیں، پہلی قسم میں وہ احکام شامل ہیں جن کا تعلق نبوت و شریعت سے ہے۔ ان احکام کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بلسانِ شریعت مفصل بیان فرما دیا۔ دوسری قسم میں وہ احکام ہیں جن کا تعلق خاص ولایتِ محمّدیہ سے ہے۔ اب مشیّتِ الٰہی کو منظور ہوا کہ ان احکام کی بھی تبلیغ ہو جائے، لہٰذہ حضرت سید محمّد مہدی مبعوث ہوئے جو دافع ہلاکت امتِ محمّدیہ اور ناصرِ شریعتِ محمّدی و احکامِ شریعت محمّدی ہیں۔ مقامِ ولایت میں جو امور فرض ہیں، یہ ہیں:
>
> (۱) ترک دنیا (۲) صحبتِ صادقاں (۳) عزلت از خلق
>
> (۴) ذکرِ کثیر (۵) ہجرت و توکل (۶) طلبِ دیدارِ خدا
>
> (۷) عشر (بحوالہ مقالاتِ حافظ محمود اختر شیرانی، صفحہ: ۱۵۸، جلد دوم)

چونکہ بات ''ولایتِ محمّدیہ'' پر ہورہی ہے اس لیے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ مضمون کو آگے بڑھانے سے قبل آگاہ کردیا جائے کہ اس مضمون کے مطالعہ کے دوران قارئین ''ولایۃ''اور ''الولایۃِ محمّدیہ'' کے درمیان پائے جانے والے فرق کو پیشِ نظر رکھیں اور وہ فرق یہ ہے کہ اس مضمون میں ''ولایۃ'' بمعنی ''تقربِ الٰہی'' مقصود ہے جب کہ ''الولایۃ محمّدیہ'' سے مراد Entire Domain/juristiction of Mohammad s.a.s. ہے کیونکہ یہاں ''الف، لام'' استغراقی مفہوم میں استعمال کیا جارہا ہے۔

استغراقی مفہوم کو سمجھنے کے لیے ''حمد''اور ''الحمد'' کے معنوں کی مثال سامنے رکھیئے۔ حمد کے معنی ہیں تعریف یا مداح وستائش۔ لیکن ''حمد'' کے ساتھ الف، لام لگانے کے بعد معنوں میں تبدیلی آجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے معنی ہوجاتے ہیں: ''ساری تعریف'' بشمول ان تعریفوں کے جن سے صرف اللہ سبحان وتعالیٰ واقف ہے!

اس مرحلہ پر عربی زبان میں مستعمل الف، لام کی ایک اور قسم کے استعمال کی وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے۔ جس کے استعمال سے اسمِ نکرہ[common noun]،اسمِ معروفہ [proper noun] کا مفہوم دینے لگتا ہے۔ مثلاً الولایۃ کے الف، لام کو اگر معروفہ جانا جائے تو اس کے معنی ایک خاص ومعروف ولایۃ سمجھا جائیگا۔ واضح رہے کہ 'الف لام' کی اور اقسام بھی ہیں۔ الف معروفہ کی ذیلی اقسام بھی ہیں مگر ان تمام کا یہاں تذکرہ غیر ضروری ہے۔

پس مبینہ استغراقی مفہوم کے تناظر میں ''الولایۃ'' تمام اقسام کی ولایت کا مفہوم اپنے اندر شامل ومحصور رکھتی ہے! جس میں ولایتِ وہبی [مقیّدہ ومطلقہ]، ولایتِ کسبی [مقیّدہ ومطلقہ]، ولایتِ مقتدرہ وغیرہ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ اس اہم نکتہ کو دورانِ مطالعہ نظر سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

جاننا چاہیے کہ قرآنِ مجید میں مذکور لفظ ''حکمۃ'' بڑے وسیع معنوں کا حامل لفظ ہے اور مختلف مقامات پر اس کا مختلف مفہوم بیان کیا گیا ہے جس کا تفصیلی بیان یہاں غیر ضروری

محسوس ہوتا ہے البتہ یہاں یہ بتا دینا کافی ہوگا کہ ''و لا یۃ'' ''حکمۃ''اور''الاحسان'' کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ''و لا یۃ ''[بمعنی قربِ الٰہی] جن اوامر و اشغال کی مرہونِ منت ہے وہ اُسی ''الحکمۃ'' سے تعلق رکھتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ الدخان میں''اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ''متعارف کروایا ہے۔

افسوس کہ برصغیر کے علماء ومفسرین اُس نصِ قرآنی کا حوالہ منظرِ عام پر لانے سے قاصر رہے ہیں جس کے تحت اَمۡرٍ حَکِیۡم (حکمت وولایت کے اوامر) الولایۃ محمّدیہ کا غیر متمیّز شدہ باب ثابت ہوتے ہیں اور مومنین پر بطور اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا (یعنی بطور ''حکمِ الٰہیہ'') نازل کیے گئے ہیں! ملاحظہ فرمائیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

حٰمٓo وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ o اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا

مُنۡذِرِیۡنَ o فِیۡهَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ o اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَاؕ اِنَّا

کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ o رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَؕ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ o

یہ وہ چند آیات ہیں جن میں مذکورہ بالا حقائق پوشیدہ ہیں! بدقسمتی سے ان کا ترجمہ صحیح رخ پر رکھنے سے اعراض برتا گیا ہے۔ اعراض برتنا اس لیے آسان ہوگیا کہ ان آیات میں ''انتشارِ ضمائر'' کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اَنۡزَلۡنٰهُ میں موجود ضمیر (ہٗ) سے مراد الکتاب ہے۔ دوسرا گروہ اس سے مراد لیلۃ المبارک جانتا ہے۔ تیسرا گروہ اس ضمیر کو حٰـم میں موجود شخصیت کی طرف راجع جانتا ہے۔ چوتھا گروہ وہ ہے جو ''غیبیت'' کے فلسفہ کے تحت اپنی تاویلات رکھتا ہے۔ پانچواں گروہ دسویں صدی ہجری میں قرآنی پیشگوئی کے تحت ''قوم'' کی شکل میں نمودار ہوا اور اپنی وراثتی تعلیمات بازیاب کرنے میں مصروف ہے۔ اسطرح کم از کم چار تاویلات موجود ہیں مگر اکثر مفسرین لیلۃ المبارک سے مراد ''لیلۃ القدر'' لیتے ہیں جس کی بنیاد ''اصولِ عذابِ الاکبر'' اور ''اتمامِ حجّۃ'' کی مبادیات کو نظر انداز کر کے رکھی گئی ہے۔

مذکورہ اعراض کے سلسلہ میں ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ سورۃ الدخان کی چوتھی آیت: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ کے ترجمہ کے ساتھ یہ کیا گیا ہے کہ فِيْهَا میں موجود ضمیر کو لیلۃ المبارک سے متعلق باور کروایا گیا جب کہ یہ الکتاب کی طرف راجع ہے اس کے علاوہ فِيْهَا کے بعد والے لفظ يُفْرَقُ کو اس کے مادے کے بنیادی اور سیدھے سادے معنوں سے محروم کر دیا گیا جس کی وجہ سے آیت کا اصل مفہوم حقیقت سے میلوں دور چلا گیا نتیجتاً خاتم الولایت کا تشخص اور ان کی ایک اہم ذمہ داری چھپ گئی! تیسرا کام یہ کیا کہ حَكِيْمٍ کے معنی مَحْكَم باور کروائے جس کی تفصّل ہم انشاءاللہ اگلے صفحات میں بیان کریں گے۔

ہماری تحقیق و علم کے مطابق سورہ کی چوتھی آیت میں موجود عربی لفظ يُفْرَقُ۔ فَرَقَ سے مشتق ہے اور باب نَصَرَ سے تعلق رکھتا ہے جس کا مصدر فَرْقٌ ہے۔ اس لفظ کی معنوی وضاحت کے سلسلہ میں صاحبِ ''لغات القرآن'' لکھتے ہیں:

> ''اَلْفَرْقُ ۔ سر کی مانگ جس سے دونوں طرف کے بال ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ ہیں اسکے بنیادی معنی۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادے کے بنیادی معنی، ایک چیز کو دوسری چیز سے جدا کر دینا اور الگ الگ کر دینا ہیں۔ اَلْمَفْرَقُ مانگ نکالنے کی جگہ۔ مَفْرَقُ الطَّرِيْقِ راستہ کی وہ جگہ جہاں سے اس میں سے نیا راستہ پھوٹتا ہو۔''

مزید کچھ مثالیں دینے کے بعد دوبارہ اس لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس اعتبار سے اَلْفَرْقُ کے معنی ہوتے ہیں:

> **الگ الگ کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ بات کو واضح طور پر الگ الگ کرکے بیان کرنا۔** [صفحہ: ۱۲۷۷، لغات القرآن۔ غلام احمد پرویز]

قارئین کو یہ بھیں معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ یُفْرَقُ (واحد۔مذکر۔غائب۔مضارع مجہول) جو کہ ہماری اس بحث کا کلیدی نکتہ ہے جس میں پوشیدہ غیر معروف فاعل سے فیصلہ کروانے یا بیان کروائے جانے کی ذمہ داری مشروط ہے مجہول کے معروف ہونے اور غیر موجود کے یعنی غائب کے موجود [حاضر] ہونے سے یا فاعل کے ظہور سے! لہٰذہ اس شرط کی وجہ سے اس امر کا تعلق مستقبل سے وابستہ ہوجاتا ہے اور اسوجہ سے ترجمہ میں ''زمانہ حال'' کا صیغہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذہ ہمارا موقف یہی ہے کہ ان حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ کیا جانا چاہیے! افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ تفاسیر و تاویلات غیر اطمینان بخش دلائل وحوالہ جات کا عجوبہ ہیں! مثلاً ایک مشہور و معروف ترجمہ و تفسیر کے مترجم محمّد جونا گڑھی صاحب سورہ الدخان کی آیات کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آیت نمبر۳: یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ڈرانے والے ہیں۔

ترجمہ آیت نمبر۴: اس رات میں ہر ایک مظبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

ترجمہ آیت نمبر۵: ہمارے پاس سے حکم ہوکر، ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے۔

اس کی تفسیر کے مفسر صلاح الدین یوسف صاحب آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تفسیری نوٹ نمبر:۱، میں انذار و منذرین کے بارے میں لکھتے ہیں: یعنی نزولِ قرآن کا مقصد لوگوں کو نفع و ضرر شرعی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہوجائے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ''قیامِ حجت'' کی فکر تو ہے مگر ''اتمامِ حجت'' کا خیال نہیں جو کہ قیامِ ''عذاب الاکبر'' کی ایک اہم شرط ہے۔ اگر خیال ہوتا تو ضرور اس فرد کی ''بیانِ قرآن'' اور ''انذار'' سے متعلق ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے انزلناہ میں مذکور ضمیر [هُ] کو اس سے منسوب کرتے! واضح رہے کہ ثمّه انا علینا بیانه اور من بلّغ جیسے **credentials** کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

نوٹ نمبر:۲ میں مفسر جناب صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں: '' یُفْرَقُ، یُفَصَّلُ و یُبَیَّنُ، فیصلہ کردیا جاتا ہے اور یہ کام کو اس سے متعلق فرشتہ کے سپرد کردیا جاتا ہے۔(مزید آگے

بڑھنے سے قبل ہم مترجم صاحب کے ترجمہ کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کروانا چاہیں گے جس میں اس کام کا فاعل اللہ سبحان وتعالیٰ کو قرار دیا گیا ہے جو کہ موجود، حاضر اور معروف شخصیت ہے جب کہ **یُفۡرَقُ** کے فاعل کو غیر موجود یعنی غائب اور نامعلوم شخصیت ہونا چاہیئے ! ملاحظہ ہو آیت نمبر۴ اور ۵ کا ترجمہ، مفسر صاحب آگے لکھتے ہیں) **حَکِیۡمٍ** بمعنی پُر حکمت کہ اللہ کا ہر کام ہی باحکمت ہوتا ہے یا بمعنی **مَحۡکَمۡ** (مظبوط ، پختہ) جس میں تغیر وتبدیلی کا امکان نہیں۔''

''صحابہ وتابعین سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس رات میں آنے والے سال کی بابت موت وحیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوح محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔[ابن کثیر]'' (ملاحظہ فرمایئے کہ ایک فرشتہ کروڑوں فرشتوں میں تبدیل ہو گیا!)

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کا ناقص بیان جس کی سند بیان نہیں کی جارہی ہے اور جس میں نبی کریم ﷺ کی کسی مستند حدیث کا حوالہ بھی موجود نہیں ہے، کسی محقق یا ایسے شخص کو مطمئین نہیں کرسکتی جو ''ایمان بالتقلید'' کے مقابلہ میں ''ایمان بالتحقیق'' کو ترجیح دیتا ہو!

جبکہ ہماری پیش کردہ توضیحات کی بناء پر پہلی بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس آیت میں مذکور امر کا تعلق دورِ نبوت سے نہیں ہے بلکہ بعد کے زمانے سے ہے اور ان احکامات کی شناخت و وضاحت یعنی ''شریعة کے احکامات'' اور ''حکمة کے احکامات'' (ولایت کے احکامات) کو الگ الگ کر کے ان کے بیان وتعلیم کی ذمہ داری کسی نامعلوم اور دورِ نزولِ قرآن میں غیر موجود شخصیت کی ہے ! لہٰذہ اس تعبیر وتشریح کے سبب سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کس کے ذریعہ سے یہ کام کروایا جایئگا ؟ الحمد للہ کہ اس سوال کا جواب بھی فصیح ترین انداز میں اس کے بعد والی آیت میں موجود ہے ! یہی وہ احکام ہیں جن کا تعلق ''خاص ولایتِ محمّدیہ'' [**الولایه محمّدیه**] سے ہے جن کا ذکر وحوالہ اس مضمون کے پہلے صفحہ پر حافظ محمود اختر شیرانی کے بیان میں پایا جاتا ہے !

نزولِ احکام کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے احکامات کے نزول کے سلسلہ میں ایک خاص حکمتِ عملی اور طریقہ کار دیکھنے میں آیا ہے۔

جوحضرت بی بی عائشہؓ سے بھی مروی ہے۔ ام المومنین بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں:

''قرآن میں پہلے مفصل صورتیں اتاریں گئیں جن میں جنت اور جہنم کا بیان ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کے لیے ہموار ہو گئے تو حلال اور حرام کے احکام اترے اور اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ یقیناً کہتے کہ ہم کبھی شراب نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ اترتا کہ زنا، نہ کرو تو یقیناً لوگ یہ کہتے کہ ہم کبھی زنا، نہ چھوڑیں گے۔'' [بحوالہ: دینِ کامل۔علامہ وحیدالدین خان]

الغرض یہاں بات یہ واضح ہوئی کہ شریعت کے نفاذ سے پہلے لوگوں کو ذہنی سطح پر تیار کیا جاتا تھا جس کے بعد احکامات بتدریج نازل کیے جاتے تھے جیسا کہ امّت نے دیکھا کہ شراب کی ممانعت کے احکام تین مرحلوں میں نافذ ہوئے تھے۔اس طرح لوگوں میں جیسے جیسے ایمان پختہ ہوتا جاتا تھا، مشقت ومجاہدہ کرنے کی صلاحیت واستطاعت میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا چنانچہ صلاحیت کے تناسب سے نازل ہونے والے احکامات کا رخ کمال فن سے قریب سے قریب تر ہوتا رہا۔تاریخی مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عملِ تبلیغ کی ابتدائی ترجیح محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کو ''اللہ کا نبی اور رسول'' تسلیم کروانے، ''ایمان بالغیب'' کے اقبال؛ ''شرک'' سے نجات اور ''ظاہر'' اعمال واخلاق وسماجی کیفیات کی درستگی اور اصلاح حال سے متعلق رہی۔اس کے بعد ترجیح باطنی کیفیت کی اصلاح سے متعلقہ احکامات کے حصہ میں آئی جو کہ خالق ومخلوق کے درمیان پائی جانے والی ''دوری''، ختم کردینے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ وہ احکامات ہیں جنہیں ''تقربِ الٰہی'' یا ولایت کے حصول کی حکمت تعبیر کیا جاتا ہے اور جنہیں حدیث کی اصطلاح میں ''الاحسان'' سے متعلقہ امور کہا گیا ہے اور جنہیں حدیثِ جبرائیل کے تحت دین کا تیسرا اہم ستون تسلیم کیا گیا ہے جن کی عام تام دعوۃ اور تبلیغ کے بغیر تکمیل ''الولایت محمّدیہ'' کا تصّور ''مکلفینِ کاملین'' میں بے چینی وتشنگی کو اجاگر رکھتا ہے!

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآنِ مجید میں مذکور لفظ ''حکمة''، بڑے وسیع معنوں کا حامل لفظ ہے اور مختلف مقامات پر اس کا مختلف مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ ان مختلف مفاہیم و مضامین میں سے ایک اہم مضمون ''الاحسان'' بھی ہے۔ بعضوں نے اسے ''طریقت'' کا علم تعبیر کیا ہے؛ بعض لوگ اسے ''راہِ سلوک'' بھی کہتے ہیں۔

چنانچہ اولین دور کے علماء اور حکماء حضرات، آیتِ کریمہ میں مذکور اَمْرٍ حَكِيْمٍ سے متعلق احکامات کو ''طریقت کے احکامات'' یا ''ولایت کے احکامات'' کے طور پر جانتے رہے ہیں۔ علماء اسلام کے درمیان قرونِ اولیٰ ہی سے یہ بات معروف رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شریعت کے احکامات [فرائضِ شریعت] کی عام تام دعوة اور تبلیغ و تربیت کی تھی، اس طرح ''ولاية'' کے حصول سے متعلقہ احکامات کی کھلے عام تبلیغ نہیں فرمائی تھی ماسواء ان خاص صحابہ اکرامؓ کہ جن میں مشقت و مجاہدات کی صلاحتیں عیاں ہو چکیں تھیں۔ ان معززین میں چند صحابہ اکرامؓ کے علاوہ اصحابِ صَفا بھی تھے! یہ وہ لوگ تھے جو اس خيرا لكثير یعنی الْحِكْمَةَ کے متلاشی تھے اور جنہیں نبی کریم ﷺ اصحابِ صلاحیت و استعداد جانتے تھے اور یہ بات بھی بہت ہی مشہور رہے کہ ولاية کے حصول کے سلسلہ میں سب سے زیادہ فیض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حاصل کیا تھا!

سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (وہ جسے چاہتا ہے الحکمة عطا کرتا ہے اور جسے الحکمة دیجاتی ہے؛ پس [حقیقت یہ ہے کہ] اسے خیرِ کثیر حاصل ہو جاتا ہے! اور نصیحت تو عقلمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں!) [سورہ البقرہ:۲۶۹]

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا بعض مخصوص صحابہؓ اور اصحابِ صفا؛ تکمیل عرفانِ الٰہیہ کے لیے خیر الکثیر یعنی ''مقامِ ولایت'' و عرفان کامل حاصل کرنا چاہتے تھے جو کہ حدیثِ جبرائیل میں مذکور دین کے تیسرے اہم ستون ''الاحسان'' کا معدن تسلیم کیا گیا ہے؛ جس کے تدریجی اہداف.... ''علم الیقین'' کے بعد بالترتیب... ''عین الیقین''...اور ''حق الیقین'' ہوتے ہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ ''علم الیقین'' رکھنے والے مومنین کے مقابلہ میں ''اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے والوں'' یعنی ''عین الیقین'' رکھنے والوں کو یقین [وجودِ باری تعالیٰ پر یقین و ایمان] کا اگلا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے حصول کے بعد اللہ سبحان و تعالیٰ ''ثبوت طلب'' یا ''مفروضہ خدا'' نہیں رہ جاتا! یعنی ایک Hypothetical Identity نہیں مانا جاسکتا!

دیدار و مشاہدے سے حاصل ہونے والے یقین [عین الیقین] کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ بھی ہم سے ایک سوال کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الانعام کی آیت:

قُلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ط اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ [سورہ الانعام: ۵۰]

''آپ کہیں [پوچھیں]: اندھا اور بینا کہیں برابر ہوسکتا ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟''

پس متذکرہ بالا درجات کے حصول کے لیے ''طلبِ دیدارِ خدا'' کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس و قلب کے خاص مجاہدات جن کا ذکر حافظ شیرانی صاحب کی کتاب کے حوالہ سے ہم نے اس مضمون کے پہلے صفحہ پر کیا ہے یعنی ترکِ دُنیا۔ توکل الا اللہ۔ عزلت از خلق۔ صحبتِ صادقین۔ ادائیگی ''عشر'' اور ہمہ وقت اور ہر حالت میں ''ذکر اللہ'' جیسے اشغال کی تعلیمات ہمیں مھدی علیہا السلام کی جانب سے ملیں۔ واضح رہے کہ ان مجاہدات کی عام تام تعلیم و تبلیغ کے لیے ''ہجرت'' ضروری ہوتی ہے اسوجہ سے یہ ''مجاہدہ'' بھی اسی مہم کی ایک اہم کڑی بتایا گیا! مذکورہ احکام اصلاً انہی مجاہدات کے اصطلاحی نام ہیں، ان کے لفظی معنوں پر تصورات و مفاہیم قائم نہیں کرنا چاہیئے۔ ان میں کی ہر ایک اصطلاح بذاتِ خود ایک علٰحیدہ مضمون ہے۔ تصدیق مھدیؑ کے بعد جن حضرات نے محنت کی، الحمدللہ کہ من جانب اللہ سبحان و تعالیٰ ''خیر کثیر'' سے نوازے گئے اور ''ید اللّٰہ'' کا نمونہ بن گئے!

زیرِ بحث مضمون کے سلسلہ کا ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ احکامِ شریعت اور آیت میں مذکور حکمت کے کل احکامات (كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ) کے بیان اور ان کی با قاعدہ دعوت اور تعلیم و عام تام تبلیغ کے بغیر ''معاملاتِ دین و دنیا'' (جو کہ مجموعہ ہیں شــریـعة اور و لا یة [بمعنی تقرب الٰہی] کے احکامات کا) اپنے اختتام کے ''حُسنِ کمال کی منتہا'' تک نہیں پہنچ پاتے! پس ایسی اہم، ضروری اور غیر معمولی اہمیت کی ذمہ داری جو کہ ہر لحاظ سے ''الو لاية محمّد يه'' ہی کا جز ہے، کسی ''غیـر مامور من الله '' کا فریضہ نہیں ہوسکتی! یہی حقیقت اس سورہ کی آیت: ۵، سے واضح ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس ذمہ داری کے حامل کو **خاتمِ دین** اور **خاتم الولايةِ محمّديه** متعارف کروایا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت بیان ہوئی ہے:

> لـو لـم يبـق مـن الـدنيا الّا يوم لطول الله ذلک حتی يلی رجـل من آل محمّد ﷺ (اگر چہ کہ دنیا کے خاتمہ کے لیے ایک دن ہی باقی رہ جائے۔ اس [دن] کو طویل کر دیگا اللہ؛ حتیٰ کہ والی ہوجائے گا [ولایتِ محمّد یہ کا] ایک مردِ آلِ محمّد ﷺ سے!
>
> [المھدی المنتظر ؛ جلد اوّل میں، صفحہ: ۳۴۵ پر حدیث: ۴۳]

مندرجہ بالا حدیث کا اردو ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اور یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ غیر مہدوی حضرات...''والی ہوجائیگا سے مراد''...''دنیا کا بادشاہ ہوجائیگا'' لیتے رہے ہیں لہٰذہ اس بنیاد پر یہ بات مشہور کر دی گئی کہ ساری دنیا پر مہدی علیہ السلام حکومت کریں گے وغیرہ وغیرہ بعض جماعتیں، دنیا کے بجائے ''عرب کا بادشاہ ہوجائیگا'' جیسے خیالات مشتہر کرتی رہتی ہیں! واضح رہے کہ ''مسند احمد'' کی ایک حدیث کے مطابق جو حدیث قرآنِ مجید کے مطابق نہ ہو؛ اسے قابلِ اعتبار تسلیم نہیں کیا جانا چاہیے!

دوسری اہم بات یہ ہے کہ آخری شریعت ''ملوکیت'' کی نفی کرتی ہے! پس مذکورہ بالا حدیث میں ''**والی** '' سے مراد دنیا کی اقلیم کا والی نہیں ہے بلکہ **دین کی اقلیم کا والی** یعنی

ولایتِ محمّدی ﷺ کا ''**والی**'' مراد ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ''دنیا'' کو کبھی پسند نہیں فرمایا تھا! یہی وہ خاص وجہ ہے کہ ہم اس حدیثِ مبارکہ میں مذکور ''والی'' سے مراد والیِ مملکت یا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتے! بلکہ **والی** سے مراد، ہم ''الولایۃِ محمدیہ'' کا والی تسلیم کرتے ہیں۔ جسے ہم پچھلے صفحات میں **Entire Domain of Mohammad s.a.s.** متعارف کروا چکے ہیں! قوم میں مستعمل مشہور اصطلاح ''**خاتم الولایۃِ محمّدیہ**'' سورہ الدخان کی مذکورہ آیت: ۴ کی تشریح اور متذکرہ حدیث کی تاویل ہی سے ماخوذ ہے اور اسی حقیقت کی روشنی میں اپنا ایک مخصوص مفہوم رکھتی ہے! واضح رہنا چاہیے کہ مھدی علیہ السلام نے یہ ولایت کسب نہیں کی بلکہ ان کی یہ ولایت ''وہبی ولایت'' ہے۔

یہاں ایک اہم حقیقت کا اظہار بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ سورہ الدخان کی زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں موجود لفظ **یُفۡرَقُ** کے صیغہ ''مضارع مجہول'' (واحد۔ مذکر۔ غائب۔ مضارع مجہول) سے فائدہ اٹھاتے ہوئے **اَمۡرٍ حَکِیۡم** سے متعلقہ ذمہ داری کے ضمن میں جن ''کسبی اولیاء'' نے غلط فہمی کا شکار ہو کر اس ''امر'' کی اپنی مرضی سے یا غلط تشکیل کردہ تاویلات کے تحت مختلف سلاسلِ تصوف کی داغ بیل ڈالی، انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اپنی اس جدوجہد میں وہ خود بھی حیران رہے اور امت کو بھی متعدد ''سلاسلِ طریقت'' میں تقسیم کر دیا۔ پس ہمارا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ کام ''نص قرآنی'' کا حوالہ دیئے بغیر Un-authorised طریقہ پر خاموشی سے اور بڑی رازداری سے جاری کر دیا گیا اور آج بھی جاری ہے تاکہ کسی چیلنج یا تنازعیاتی صورتحال کا مقابلہ نہ کرنا پڑے! یہ ''سلسلے'' صدیوں پہلے وجود میں آ چکے اور آج بھی اپنی اپنی خانخواہوں میں اپنی اپنی ''طریقت'' کے مطابق حصولِ قربِ الٰہی کے لیے مجاہدوں کی محفلیں منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں!

لوگوں نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ تاریخی حقائق کے لحاظ سے جس عظیم ہستی کو ''خیر الکثیر'' کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ''فیض'' نبی کریم ﷺ سے حاصل ہوا تھا انہوںؓ نے کبھی کسی سلسلہ طریقت کی داغ بیل نہیں ڈالی تو دیگر ''غیر مامورین من اللہ'' حضرات

اس ذمہ داری کی شروعات کی جرائت کیونکر کر سکتے ہیں؟ لہٰذہ اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ ان محترم ومکرم حضرات نے جن کے نام سے یہ سلسلہ مشہور ہیں، ان سلاسل کی ابتداء نہ کی ہو بلکہ بعد کے لوگوں اور عقید تمندوں نے اس کو ایک مستقل فن کے طور پر مدون کر کے ان کے نام کا فائدہ اٹھایا ہو!

ان حضرات کے برخلاف جن لوگوں نے سورہ الدخان کی مذکورہ آیات کو سمجھا ہی نہیں اور مذکورہ بالا آیات کا بغور مطالعہ نہیں کیا انھوں نے ''ولایت اور راہِ عرفان وسلوک'' کو خارج ازقرآن باور کروایا! کچھ ایسی ہی صورتحال ''بیانِ قرآن'' سے متعلق ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اپنے بیان کو اور کبھی اپنی لکھی ہوی تفسیر کو''بیانِ قرآن'' کا نام دیدیا! [واللہ اعلم]

مصادر ومنابع:

۱۔مقالاتِ حافظ محمود اختر شیرانی — مرتبہ مظہر محمود شیرانی۔مجلس ترقی ادب،کلب روڈ۔لاہور،۱۹۶۶ء

۲۔قرآنِ کریم معہ اردو ترجمہ وتفسیر — مترجم محمّد جوناگڑھی،شاہ فہد قرآنِ شریف پرنٹنگ کمپلکس۔مدینہ منورہ

۳۔لغات القرآن — غلام احمد پرویز،ادارہ طلوعِ اسلام۔گلبرگ؛ لاہور

۴۔قرآن مجید [لفظی ترجمہ] — شاہ رفیع الدین محدث دہلوی۔تاج کمپنی لمیٹڈ،منگھو پر روڈ،کراچی

۵۔لغات القرآن — سید عبدالدّائم جلالی۔دارلاشاعت،اردو بازار؛ کراچی

۶۔خیرکثیر — شاہ ولی اللہ،دارلاشاعت،اردو بازار؛ کراچی

۷۔المھدی المنتظر [عربی]؛ جلداوّل — الدکتور عبدالعلیم عبدالعظیم البستوی،المکتبہ المکیہ،سعودی عربیہ